وہاں آپ نے نہ صرف اپنے ملک بلکہ غیر ملک یعنی بھارت میں بھی جا کر تعلیم حاصل کی۔جن علاقوں میں آپ زیرِ تعلیم رہیں ان میں دہلی، لائل پور، (فیصل آباد) امرتسر، ملتان اور علی گڑھ شامل ہیں۔''(۷)

بیٹی کی تعلیم کے سلسہ میں کریم بخش پر کُفر کا فتویٰ تک لگا مگر وہ ثابت قدم رہے۔1949-1995ءاور رعمرانہ پروین (1959ء) پوان چڑھے۔باقی اوائل عمری میں ہی وفات پا گئے۔بختاور بی بی نے قلمی نام بخت آور کریم رکھا۔

''یہ وہ دور تھا کہ جب والدین سمجھتے تھے کہ لڑکیاں پڑھنا لکھنا سیکھ کر پیار کے پیغام لکھیں گی۔۔ بخت آور کریم نے اس سوچ کے خلاف عملی جد و جہد کی اور اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔''(۸)

شعبہ تدریس سے وابستہ رہیں۔مظفر گڑھ سے راجن پور تبادلہ ہوا تو لوگوں کے فرسودہ خیالات بدلنے کی بھرپور کوشش کی۔راجن پور سے ڈیرہ غازی خان تبادلہ ہوا۔11 سال ڈیرہ غازی خان میں ملازمت کی اپنے بیٹے طفیل احمد عرشی کی تعلیم کی وجہ سے لاہور تبادلہ کروایا۔ڈیڑھ سال لاہور میں ملازمت جاری رکی۔1976ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لی اور مستقل لاہور میں سکونت اختیار کی۔

''1979ء میں خواجہ غلام فرید اکیڈمی آف پاکستان کا قیام عمل میں لائیں۔جس کی زیرِ نگرانی ہر سال ایک رسالہ بھی شائع ہوتا رہا۔''(۹)

وہ ایک سخت گیر معلّمہ اور منظّم ماں تھیں۔ریاضی ان کا پسندیدہ مضمون تھا۔ریاضی ہی کی عمر بھر تدریس کی اور ریاضی کیا صولوں کی طرح ہی منظّم تھیں۔

خواجہ غلام فرید سے بے حد متاثر تھیں۔دیوان فرید کو اپنی استاد مانتی تھی مخدوم قادر بخش کے بیٹے سید ممتاز حسین شاہ کو اپنا کلام اصلاح کی غرض سے دکھایا کرتیں۔"بقول شازیہ نذر:

تو ں لجپال ہیں یاد سگی
مخولم سید قادر بخش پیر

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخت آور کریم جس حبس زدہ پس منظر کی امین تھی اس کے پیش نظر کہیں یہ ضروری تو نہیں ہو گیا تھا کہ وہ مذہبی حوالوں کو اپنی تحریر میں جگہ دیں، قرآنی آیات کو موضوع بنائیں۔اور خواجہ فرید کو اپنی شاعری کا مرکزی حوالہ بنائیں کیونکہ پیروں کے خاندان سے لوگ عقیدت رکھتے ہیں اور عورتوں کے اظہار عقیدت کو بھی پسند کرتے ہیں۔پھر داجل کے مخدوم خاندان سے وابستگی پیر قادر بخش اور ان کے بیٹے سید

ممتاز شاہ سے منہ بولا رشتہ قائم کرنا بھی اسی سلسلہ کی کڑی تو نہیں۔ کٹر مذہبی اعتقاد رکھنے والے لوگوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی خواہش بھی تو ہو سکتی ہے یا پھر یہ ان کے مزاج کا حصہ تھا کہ وہ عقیدت اور محبت کے پھول ہی نچھاور کرتی رہیں۔ ان سوالوں کے جواب حاصل کرنے کی سعی اس مقالہ میں کی گئی ہے۔

''پیر قادر بخش کے بیٹے سید ممتاز حسین شاہ کو بخت آور کریم نے اپنا منہ بولا بھائی بنایا ہوا تھا اور ان سے اصلاح لیتی تھیں۔''(۱۰)

ان کی شخصیت میں توازن تھا۔ اگر چہ ان کے گداز دل پر صوفیانہ رنگ کا دھمال جاری تھا لیکن ان کی شخصیت اور محبت کا توازن ہمیشہ قائم رہا۔

بقول شازیہ نذر:

''مرنے سے قبل ان کی آخری خواہش تھی کہ داتا صاحب کے مزار سے حاضری کے بعد اُنھیں دفنایا جائے۔ خواہش کی تکمیل میں اُنھیں دربار سے چادر بھی ملی۔''(۱۱)

''21 فروری 1984ء بمطابق 18 جمادی الاول 1404ھ میں بروز منگل بوقت نماز ظہر اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔''(۱۲)

"اٹک مٹک دیداں (دسمبر 1984ء)" خواجہ فرید عمی ادبی بورڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ سرائیکی مجموعہ کلام 152 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کلام میں عقیدتاں، ڈوہرے، رباعیاں، کافیاں، غزلاں اور نظماں شامل ہیں۔

نویں لاون سکھی اں رہا
میڈی یاری توڑ چڑھا ویں
یاری لاون تے توڑ چڑھاون
ان جان کوں آپ ڈساویں(۱۳)

داجل جیسے قصبے کی خاتون کے لیے اس طرح کی شاعری کرنا آسان نہ تھا۔ ریت رواج، سماج اور معاشرے سے قبولیت کی سند حاصل کرنا بھی سہل نہ تھا مگر بخت آور کریم نے ہمت نہ ہاری۔ ان کی شاعری کے صوفیانہ رنگ اور اپنے اطراف چڑھائے سختی کے خول نے انہیں اپنی معاشرت (وسیب) سے الگ کر دیا تھا۔ یہاں یہ سوال بھی ذہن میں سر اُبھارتا ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری اور خداداد صلاحیتوں کو پوری سمجھداری سے مذہبی شاعری کی طرف موڑا، یا اُن کا فطری رجحان ہی اس طرف تھا۔ نیز ایک پسماندہ علاقے کے روشن خیال عورت نے جب کیفیات، جذبات اور خیالات کا رُخ حضرت خواجہ غلام فرید کی جانب موڑا تو کیا یہ بھی وسیب

کی ہرزہ سرائی سے بچنے کے شعوری کوشش تھی۔ یادل سائیں فرید کی پیاسی "روہی" کا شیدائی تھا۔ بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو سماجیات سے غیر محسوس بغاوت نے پیر فرید اور پھر داجل ہی کے مخدوم خاندان سے قربت کے باعث وہ بہت سے بہتانوں سے بچی رہیں۔ پیری مریدی کے نظام میں جکڑے لوگوں کے ے یہ بہت بڑی سعادت تھی کہ ایک عورت خواجہ فرید کی عقیدت مند ہیں اور اپنی شاعری میں قرآنی حوالے بھی دیتی ہیں۔

''سورۃ ق محبتاں والی نتھ میں پاواں
موتی سوھڑاں م مھر دا ھوسی
التحیات دی سینلھ بناوں
سورۃ ملک دی جگنی پاواں
جنت بان مریندی رہی لہ
اُچاناں سوھنڑیں مدنی دا ہوسی''(۱۴)

وہ حُب الہٰی اور محبت رسول ﷺ کا عملی اظہار اپنے اشعار میں کرتی تھیں۔قرآنی سورتوں کا اذکار، صنعت حسن، تلمیح کا منفرد حوالہ ہے جبکہ شعری کائنات میں اسلامی واقعات کو بھی خوبصورتی سے جگہ دی گئی ہے۔

''علم دا بخت ہے پھیایا ہر سُو
جہالت دا منڈھ نِکھنا
اسلام دے ڈیوے بالن عربی
ظلمت کوں مٹا کے''(۱۵)

خواجہ غلام فرید کو اپنا مرشد ماننے والی بخت آور کریم محبت کے جذبے سے بھیگ کراُن کا ذکر عقیدت کے ساتھ کرتی ہیں۔

''جے توں ہوئیں دلدار خواجہ
سب وسرایندے کم کار خواجہ
اُف تیر تیڈے نیناں دے
تھی ویندے دل دے پار خواجہ
تیڈیاں کافیاں یاد دا محور ہن
کیویں وسراں تیڈا پیار خواجہ
ہیں میڈا ہار سنگار وی تُوں

تُوں وسدا ہیں چودھار خواجہ
جتھ قدم تیڈے آویندے ھن
کِھل پوندے باغ، بہار خواجہ ''(۱۶)

سرائیکی شاعری میں اُردو کی پیوند کاری سے دلکشی پیدا کی گئی ہے۔ جیسے تیڈ یاں کافیاں یاد امحور ہن یہاں محور معنویت پیدا کر رہا ہے۔

''پیار نبھاویں ہا
چھڈ کے نہ جاویں ہا
حوصلہ ڈیواویں تھا
دلڑی نزار کوں
کھل الاویں ھا
مونجھاں لھاویں ہا
ہک وار آویں ہا
چھوڑ کم کار کوں''(۱۸)

ان اشعار میں پنجابی اور اردو کا تڑکہ ہے۔

''چھڈ کے نہ جاویں ہا'' پنجابی
''حوصلہ ڈیولویں ہا'' اردو
''دلڑی نزار کوں'' سرائیکی

پنجابی، اُردو اور سرائیکی کی پیوند کاری سے شاعری معنی خیز ہوئی۔ ساتھ ہی ان اشعار میں ''برہوں کی ماری'' وصل کی خواہش کا اظہار کر رہی ہیں۔

بخت آور کریم نے مختلف شعری جہتوں کا اپنایا۔

کہیں "عقیدتاں" کہیں "کافیاں" کہیں "ڈوہڑے" کہیں "رباعیاں" کہیں "غزلاں" اور کہیں "نظماں" گویا انہوں نے گلستانِ شاعری کو نگارنگ پھولوں سے سجا دیا۔

"پھل پھل خوشبو" یہ بخت آور کریم کا غیر مطبوعہ کلام ہے۔ اس میں انہوں نے اُن بیبیوں کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔ تمام واقعات اور بیبیوں کا تفصیلی تعارف اس میں موجود ہے۔

بقول شازیہ نذر:

''بخت آور کریم کی صاحبزادی عمرانہ پروین کے پاس یہ مسودہ موجود ہے''(۱۹)

اسلامی مضامین کا مجموعہ "مضامین گلدستہ" نومبر 1980ء میں ادبی سنگت لاہور نے شائع کیا۔ کُل صفحات 131 ہیں۔ انتساب "والدین کے نام" ہے۔ مضامین گلدستہ کے موضوعات ارا کین اسلام کا احساطہ کرنے کے علاوہ عید الفطر، عبدالاضحیٰ، شب معراج، شب برات، فضائل رمضان، واقعہ کربلا اور محرم الحرام جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

''حضور ﷺ کی نعتیہ شاعری'' حضور ﷺ کے دور کے نعت گو شعرا کا ذکر ہے۔ شازیہ نذر کے مطابق یہ کلام مطبوعہ ہے مگر ان کی صاحزادی عمرانہ پروین کے علاوہ کہیں اور دستیاب نہیں۔ سرائیکی زبان اور سرائیکی وسیب سے وابستگی اور محبت کے پیش نظر سرائیکی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ 1976ء سے شروع کیا اور 1983ء تک تکمیل کو پہنچایا۔ مگر تا حال طباعت نہیں ہو سکی۔ " گوہر شب چراغ" کے مصنف انور فیروز ہیں جبکہ بخت آور کریم نے اسے مرتب کیا۔ اس کا انتساب خواجہ غلام فرید کے نام ہے۔ اگست 1919ء (بہاولپور) میں اس کیا اشاعت اول ہوئی جبکہ 10 جنوری 1989ء میں بخت آور کریم نے اسے مرتب کیا اور بخت آور کریم پرنٹرز اینڈ پبلشرز پرائیویٹ لیمیٹڈ نے شائع کیا۔

> ''اس کتاب میں محمد طفیل عرشی، غضنفر مہدی، محمد اسماعیل بھٹی اور بخت آور کریم نے خواجہ فرید کی شاعری، آثار وافکار پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ جس میں بے شمار الفاظ ہیں۔''(۲۰)

جبکہ آخر میں یہ نوٹ بھی دیا گیا ہے۔

نوٹ: جن حروف پر (ط) کا نشان ہے وہ ریاستی لہجہ ادا کر رہے ہیں۔ مثلاً ن" (ط)" ونڑ پڑھنا چاہیے۔

یاد رہے کہ ونڑ سرائیکی میں درخت کو کہتے ہیں۔ راجن پور میں اگرچہ اُردو زبان کا آغاز اور پھر ارتقاء بڑی دیر سے ہوا تاہم یہاں کے قلم کاروں نے اُردو نثر کے فروغ میں حصہ ڈالا۔

بقول شازیہ نذر:

> ''ان ادیبوں میں کیفی جامپوری، شبیر حسین اختر، ڈاکٹر اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر راشدہ قاضی، ڈاکٹر شکیل پتافی، ڈاکٹر رانا یاسین، اشکر فاروقی حکیم فارس جیسے نام نمایاں ہیں۔''(۲۱)

ادب کے اس قافلے کا ایک نمایاں نام بخت آور کریم کا ہے جن کی شاعری خدمات بھی نمایاں ہیں۔ اسلامی مضامین کا مجموعہ "مضامین گلدستہ" مقالات:

1۔ مداح خواجہ غلام فرید
2۔ (تاریخ اسلام کا ایک ورق) یہ تیرے پراسرار بندے۔
3۔ خواجہ غلام فرید
4۔ یادوں کے قافلے

اگر ان مضامین کو اسلامی مضامین کا گلدستہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

''اسلام کے موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے ایک ایک شعبے پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ میں نے یہ کتاب اصلاً ان طالب علموں کے لیے لکھی ہیں جن کو ثانوی درجے تک سکولوں میں اس مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کم از کم اس کتاب کے مطالعہ سے وہ اسلام کے کسی موضوع پر قلم تو اُٹھا سکیں گے۔'' (۲۱)

اس کتاب میں توحید، رسالت، تمام کلمے، ارکان اسلام معہ ترجمہ، فرشتوں اور ایمان، حقوق العباد اور شب معراج کے بارے میں لکھا ہے:

پہنچے معراج پہ عرش پہ مصطفیٰ
پھر نہ معبود، بندے میں پردہ رہا(۲۲)

بخت آور کریم نے حیات و ممات کی گتھیاں بھی سلجھائی ہیں۔ وہ زندگی کے بارے میں لکھتی ہیں:

''زندگی جسے انسان روتے اور ہچکیاں بھرتے ہوئے قبول کرتا ہے اور چند دنوں کی مختصر مدت میں شمع انجمن اور مجسمہ درد بننے کے بعد سسکیوں اور آہوں کے طوفان میں ڈوب کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ جاتے ہیں۔'' (۲۳)

اُردو تحریر بعض جگہوں پہ رعنائی کے پیکر میں بھی ڈھلی ہے۔

''گلابی رخسار جنہیں میں دیکھ کر اکثر عقیدت کا اظہار کیا کرتی تھی اب خزاں رسیدہ پتوں کی طرح زرد پڑ چکے ہیں۔ وہ عنبریں زلفیں جن سے ہمیشہ عرق گلاب کی بھینی بھینی خوشبوئیں نکھرتی تھیں اب ان کی دلکشی ظاہراً میرے لیے مئے خانہ بن سکیں اور وہ گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ نازک لب جن پر شام کا احمریں رنگ تلملا تا تھا۔ اب ماند پڑ گیا۔ اب کچھ بھی رعنائی باقی نہیں رہی۔'' (۲۴)

یہاں بخت آور کریم نے جمالیاتی رنگوں اور سماجی کرب اور ہجر و فراق کی تصویر کشی بڑے جذب سے کی ہے۔ خواجہ غلام فرید سے محبت و عقیدت کی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بخت آور کریم تصوف کے مقام و مرتبہ

تک جا پہنچی ہیں۔اُن کی زندگی محنت، لگن اور جستجو کا نام ہے۔ان کا تخیل بھی معنی خیز ہے اور تحریر بھی روشنی کا استعارہ ہے۔وہ اپنے اشعار کو قرآن مجید کی سورہ کے نام کرتی ہیں۔عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر شاعری کرتی ہیں۔صحابہ کرام کے نام اشعار لکھتی ہیں اور خواجہ غلام فرید کی محبت میں سرشار ہوتی ہیں اور خواجہ صاحب کی کافیاں اپنی ذات کا محور بنا دیتی ہیں۔ بخت آور کریم کے اندر عاجزی کے دیئے جلتے ہیں۔ان کی شعری کائنات فنی وفکری لحاظ سے لائق تحسین ہے جبکہ نثری دنیا بھی لائق توجہ ہے جبکہ راجن پور کے ادیبوں اور شاعروں میں بخت آور کریم قابل ذکر مقام رکھتی ہیں۔

نثار اکبر آبادی کے دو اشعار بھی منظوم خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

نہ تھا کوئی ٹھکانہ زندگی کا
مگر وہ زندگی کا آشیاں تھی
شعاع مہر عالم تاب تھی وہ
وفا کی روشنی کا کارواں تھی

☆☆☆☆

حوالہ جات

1- www.bbc.com

2- http:/www.bbc.com/urdu/ multime-dia/ 2014/11/141125-harand-fort-rajanpur-pics-nh.

3- Marri is a hilly station in the suliman Range, situated only few kilometer form dajal (near the Lal garh union Council) Marri (urdu) is a hill station in Rajan Pur district, South Punjab, Pakistan its altitude is approximately 4800 ft above from sea level. It is about 75 km (47 mi away form jampur, 100 km(62 mi) away from RajanPur and 116km (72mi) from Mithankot.

4- Dajal: dajal rajanpur.blogspot.com

5۔ وکیل انجم۔سیاست کے فرعون۔پنجاب کے جاگیرداروں کے عروج وزوال کی کہانی۔فیروزسنز پرائیویٹ لیمیٹڈ لاہور،راولپنڈی،کراچی 1992ء ص 107

6۔ ایضاً ص 108

7۔ شازیہ نذر بخت آورکریم شخصیت وفن غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اُردو،شعبہ اُردو غازی یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان 2016-2014 ص 3

8۔ ایضاً ص 5

9۔ بخت آورکریم۔"اٹک مٹک دیداں" خواجہ غیل وادبی بورڈ لاہور 1984ء ص 143

10۔ ایضاً ص 6

11۔ ایضاً ص 31

12۔ ایضاً ص 10

13۔ ایضاً ص 143

14۔ ایضاً ص 145

15۔ ایضاً ص 11

16۔ ایضاً ص14

17۔ ایضاً ص13

18۔ ایضاً ص28

19۔ ایضاً ص68

20۔ شازیہ نذر، بخت آور کریم شخصیت وفن ص18

21۔ بخت آور کریم۔ گوہر شب چراغ۔ بخت پرنٹرز اینڈ پبلشرز پرائیویٹ لیمیٹڈ لاہور، جنوری 1989ء ص111

22۔ ایضاً ص112

23۔ شازیہ نذر ایضاً ص19

24۔ بخت آور کریم " اسلامی مضامین کا مجموعہ "" مضامین گلدستہ " پاکستان ادبی سنگت لاہور نومبر 1980۔ص7

25۔ ایضاً ص112

26۔ بخت آور کریم "یادوں کے قافلے" پیام فرید، خواجہ فرید اکیڈمی آف پاکستان لاہور 1983ء ص48

27۔ پیام فرید، خواجہ غلام فرید اکیڈمی آف پاکستان گلشن بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور 1983ء ص48

Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 39, Sr.No.111, 2018 pp 87 - 94

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد۳۹، اپریل۔جون ۲۰۱۸ء، شمارہ ۱۱۱

صوفیانہ افکار کی پہلی دستاویز۔ ''کشف المحجوب''

☆ڈاکٹر محمد فرقان احمد قریشی

Abstract:

The Essay "Sofiana Afkar ki pehli Dastavaiz-Kashf-ul-Mahjoob" comprises the brief description of the book, its main contents, topics including supermacy and significance of knowledge. It also depicts knowledge of reality, pillars of Islamic law, quotations of abstemious persons pertaining to matters of Islamic mysticism. It emphasizes that the people should follow the orders of Allah Almighty with utmost sincerity, treat the creation of Allah with great politeness and perform our duties with good intentions and it also discriminates between the meanings of the terms Mendicant (Faqeer) and wantless (Ghani).

حضرت داتا گنج بخش تقریباً ایک ہزار سال قبل لاہور میں قیام پذیر ہوئے آپ کی جامع کتاب ''کشف المحجوب'' کو تقریباً ایک ہزار برس کا عرصہ گزرنے کو ہے۔ تاہم اس کے مضامین کی حلاوت و تازگی، موضوعات کی جامعیت اور ہمہ گیریت ہر زمانے میں مسلمہ رہی ہے۔ روسی مستشرق ژوکوفسکی نے 'کشف المحجوب' کو حضرت ہجویری کا شاہکار قرار دیا ہے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، ٹاؤن شپ، لاہور

حضرت داتا گنج بخش نے 'کشف المحجوب' میں ۲۳۶ آیاتِ قرانی، ۱۳۴ احادیثِ نبوی، تین سو سے زائد اشعار، صوفیا کے اقوال اور بیس سے زائد امہات کتب کی عبارتیں درج فرمائی ہیں۔ ایک ایسے دور میں جب کہ ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل محدود تھے، کتب کا زیادہ تر ذخیرہ غزنی میں تھا۔ اس قدر جامع شاہکار ترتیب دینا آپ کی ایسی کرامت ہے جس کا اظہار اور فیضان ہمیشہ جاری رہے گا۔

کشف المحجوب کے موضوعات:

'کشف المحجوب' فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس کے موضوعات کا تنوع، زبان کی چاشنی، مضامین کی اثر آفرینی اور حلاوت یقیناً اس کی اصل کتاب یعنی فارسی میں مطالعہ کرنے سے ہی میسر آ سکتی ہے۔ اردو تراجم میں مترجمین اور محققین کی کوشش، قابلِ ستائش ہے تاہم اس مخلصانہ مساعی کے باوجود 'کشف المحجوب' کے مفہوم و مقصود تک مکمل طور پر پہنچنا قدرے دقت طلب ہے 'کشف المحجوب' اپنے موضوعات اور علمی گفتگو کے حوالے سے نہایت جامع کتاب ہے اس میں شریعت و طریقت کی اجتماعیت بھی نظر آتی ہے اور قرآن و سنت کی بالادستی بھی۔ اس کے مضامین کا آغاز علم کی بحث سے کیا گیا ہے جو اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے نزدیک علم کو بے حد اہمیت حاصل ہے اور اس سلسلے میں آپ نے قرآن و سنت کو اپنا راہنما بنایا ہے آپ نے علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اس موضوع کی تقدیم بے مقصد نہیں بلکہ اس کا مقصد علم کی اہمیت کو واضح کرنا ہے۔

داتا گنج بخش چونکہ صوفی بزرگ تھے اس لیے انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ صوفی کے لیے علم کا حصول باقی تمام امور سے مقدم ہے اور اس کے لیے جہالت زہرِ قاتل ہے۔ آپ نے علم کو اہمیت دی اور اس باطل تصور کا قلع قمع کیا جس کے مطابق جاہل صوفیا نے اہلِ علم پر تصوف کے اور صوفیا پر علم کے دروازے بند کر رکھے ہیں اور جہالت میں بھٹکنے والے نام نہاد صوفیا نے کردار سازی کے بجائے گمراہی اور غیر شرعی رسوم کا بازار گرم کر رکھا ہے عموماً علم کے حوالے سے گفتگو میں فضائل کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور اس سے متعلق دیگر تقاضوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور شاید یہ اس فکر کا ردِ عمل ہے جس کے مطابق سلوک کی منازل طے کرنے کے لیے علم کو غیر ضروری قرار دیا جاتا ہے لیکن داتا گنج بخشؒ نے علم کی فضیلت کے بیان پر زور دینے کے بجائے اس کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد دیگر ضروری امور کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔

'کشف المحجوب' میں علم کے بیان میں ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس سے آج کے دور میں صرفِ نظر کیا جا رہا ہے اور وہ عصری تقاضوں کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''فرض وہ علم ہے جو وقت کے مطابق ہو اور وقت پر کام آئے۔'' (۱)

داتا گنج بخش کے مطابق ماضی کا زمانہ گزر گیا اس کے لیے جو علم ضروری تھا اس کی طرف توجہ کا اب کیا فائدہ، مستقبل آئے گا تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا لہٰذا موجودہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں اس کے تقاضوں کے مطابق علم کا حصول ضروری ہے۔

علم کی فضیلت اور اہمیت:

ہمارے تعلیمی اداروں اور نصاب ساز اداروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ دورِ حاضر میں، جدید تقاضوں کے مطابق اپنے نصاب میں ترامیم عمل میں لائیں۔ مدارس دینیہ کا نصاب ''درسِ نظامی'' نہایت جامع نصاب ہے لیکن کچھ تبدیلیوں اور رد و بدل کا متقاضی ہے۔ اس لیے 'درس دینیہ' بالغ نظر علماء اور مذہبی سکالرز کی مشاورت سے اس اہم کام کی طرف قدم بڑھائیں جس کا تقاضا داتا گنج بخشؒ نے بھی کیا ہے۔

''واضح رہے کہ اقسامِ علم بے شمار ہیں اور انسانی عمر نہایت کم ہے۔ واضح ہو گیا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض نہیں مثلاً علمِ نجوم، علمِ حساب، علم صنائع، بدائع وغیرہ مگر ان علوم میں سے اتنا حاصل کرنا ضروری ہے جس کی شریعت مطہرہ کے اندر ضرورت ہے جیسے علمِ نجوم اس کا اتنا جاننا ضروری ہے جس سے رات دن کے اوقات صوم وصلوٰۃ کے وقت جانے جا سکیں۔ علم طب اس قدر ضرور پڑھا جائے جس سے انسان عوارضاتِ مرض سے صحت کی حفاظت کر سکے غرض یہ کہ علم اس قدر حاصل کرنا ضروری ہے جس سے علم فرائض آسانی سے سمجھ سکیں، اور حوائج شرعیہ پوری ہو سکیں۔'' (۲)

آپ نے علم کی بحث میں ان لوگوں کی بھی مذمت کی ہے جو اپنے علم کو جاہ و مرتبہ اور دولت کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یوں حکمرانوں اور سرمایہ داروں کی خوشامد کے ذریعے علم کی توہین کرتے ہیں اور خود بھی ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ آپ نے علمِ الٰہی اور بندے کے علم میں امتیاز اور فرق کو بھی واضح کیا ہے جس سے اس فکر کی نفی ہو جاتی ہے کہ نبی کے لیے علم غیب کا ثبوت شرک ہے کیونکہ جب دونوں کی حیثیت کا فرق ہے تو برابری ممکن نہیں۔

علم حقیقت اور علم شریعت کے ارکان:

حضرت داتا گنج بخشؒ نے علم حقیقت اور علم شریعت دونوں پر زور دیا ہے۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی واحدانیت کا علم اور اس کی ذات سے کسی بھی چیز کی تشبیہ کی نفی۔
(۲) صفاتِ الٰہیہ اور ان کے احکامات کا علم
(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال اور ان کی حکمت کا علم

علمِ شریعت کے تین ارکان مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب (قرآن مجید) (۲) سنت (۳) اجماع

داتا گنج بخشؒ نے اپنے جامع مضمون میں علم کی فضیلت، علم کا حصول، علم کے اکتساب اور ضرر رساں یا بے فائدہ باتوں کے علم سے اجتناب، صوفیا کی علم سے گہری وابستگی، اللہ تعالیٰ اور بندوں کے علم میں فرق، فقہی مسائل میں کسی ایک امام کی تقلید اور علم باعمل حاصل کرنے جیسے موضوعات پر قرآن وسنت، اقوال بزرگانِ دین اور اپنی بصیرت افروز آرا کے ذریعے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ تصوف کے موضوع پر عربی زبان میں بے شمار کتب تحریر کی جا چکی ہیں جس میں تصوف کے بارے میں اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں 'کشف المحجوب' فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر پہلی جامع کتاب تھی اس کے باب سوم میں 'ماہیتِ تصوف' پر خوبصورت انداز میں بحث کی گئی ہے۔

''کشف المحجوب'' کے مندرجات:

'کشف المحجوب' کا ہر باب تین فصلوں پر محیط ہے۔ فصلِ اول میں تصوف کا مفہوم، فصل دوم میں صوفیا کرام کے نزدیک صوفی کے معنی اور فصل سوم میں تصوف کے معاملات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اولیاء کاملین کے نام، تصوف کی تعریف، متصوفین کی اقسام، صوفیا کرام کے اوصافِ حمیدہ، فضائل اور ان کے معاملات، رسم واخلاق میں فرق، نیک خصائل اور منکرین تصوف کو نصائح وغیرہ شامل ہیں آپ نے ہر موضوع سے پہلے قرآنی آیت یا حدیث مبارکہ کا انتخاب کیا ہے اور پھر اپنی بات کو آگے بڑھایا ہے۔

صوفیا کے اقوال:

داتا گنج بخش نے صوفی کو ''عباد الرحمٰن'' کہا ہے۔ اس ضمن میں مختلف اہلِ علم کے اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے چند اقوال ذیل میں درج ہیں۔

(۱) صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صوف (اون) کا لباس پہنتا ہے۔
(۲) صوفی لوگ اصحابِ صفہ سے محبت کرتے ہیں۔

(۳) صوفی قیامت کے روز صف اول میں ہوں گے۔
(۴) صوفی ایک اسم ہے جو لفظ 'صفا' سے مشتق ہے یعنی اس کے اندر وہ صفائی ہے جس کی بنا پر وہ صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔
(۵) صوفی ایک اسم ہے جس کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں۔

ان اقوال میں سے داتا گنج بخشؒ نے چوتھے قول کو رائج کیا اس لیے کہ اول الذکر تین اقوال میں وہ خصوصیت نہیں جو صوفیا کے ساتھ خاص ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ لفظ تیسری صدی ہجری میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ چنانچہ ابوالقاسم عبدالکریم لکھتے ہیں:

> ''صوفی کو صوفی کہنے کا تاریخی پسِ منظر یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے لیے 'اصحاب' کا لفظ استعمال کیا جنہوں نے اپنی زندگی میں آپ کی صحبت اختیار کی اور اسلام کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے آپؐ کے وصال کے بعد بھی انہوں نے اس نام کو باقی رکھا۔ اس لیے کہ ان کے لیے آپؐ کی صحبت سے بڑھ کر اور کوئی وجۂ فضیلت نہ تھی چنانچہ انہیں 'صحابہ' کہا گیا ان کے بعد وہ لوگ جنہوں نے صحابہ کرام کی صحبت اختیار کی انہیں ''تابعین'' کہا گیا۔ انہوں نے اس نام کو نہایت ہی شرف والا نام لکھا پھر اس کے بعد کے لوگوں کو ''اتباع التابعین'' کہا گیا۔
>
> اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور جدا جدا مراتب پیدا ہو گئے۔ چنانچہ ان خاص قسم کے لوگوں کو جنہیں دینی امور کے ساتھ خاص لگاؤ تھا زاہد اور عابد کہلانے لگے اس کے بعد بدعتیں رونما ہونے لگیں اور ہر فرقہ مدعی بن گیا کہ ان میں زاہد پائے جاتے ہیں چنانچہ اہلِ سنت میں ان خاص لوگوں نے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا اپنے لیے الگ نام ''تصوف'' اور ''صوفی'' رکھ لیا۔''(۳)

چونکہ لفظ ''صوفی'' اور ''تصوف'' کی ایک بنیاد لفظ ''صفا'' بتائی جاتی ہے اس کی وضاحت کے لیے آپ نے بہت سی مثالیں اور حوالے دیے ہیں۔ حضرت یوسفؑ اور زنانِ مصر کا ذکر ہے کہ جنہوں نے حُسنِ یوسف کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر چھریاں مار لیں تو حضور نبی کرمؐ کا حُسنِ مبارک کس قدر زیادہ ہو گا۔

تصوف کے معاملات:

'کشف المحجوب' کی تیسری فصل میں داتا گنج بخش نے تصوف کے معاملات کا ذکر مختلف اکابر صوفیا کرام کے اقوال کی روشنی میں کیا ہے۔ اسے تمام ابواب کا خلاصہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں حضرت نوریؒ کے نزدیک، صوفی، تصوف کے معاملات یہ ہیں کہ تصوف آزادی، جوانمردی و ترک تکلف و سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ آزادی سے مراد خواہشِ نفس کی آزادی، جوانمردی سے مراد جوانمردی سے کنارہ کش ہونا، اپنے متعلقات اور نصیب میں کوشش نہ کرنا، ترکِ تکلف ہے اور دنیا کو اہلِ دنیا کے لیے چھوڑ دینا سخاوت ہے۔

حضرت مرتعش فرماتے ہیں ''تصوف'' 'نیک خلقی' کا نام ہے جو تین طرح کا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے احکام اخلاص سے ادا کرنا

(۲) مخلوق کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا

(۳) اپنے کاموں کو نیک نیتی سے انجام دینا

حضرت ابوحفص کہتے ہیں کہ تصوف سب کا سب ادب ہے، ہر وقت، ہر مقام اور ہر حال میں ادب ہے۔ جو اِن اوقات کے آداب کو لازماً بجالاتا ہے وہ شخص راہِ حق پر ہے اور جو ادب کو ضائع کر دیتا ہے وہ مردہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوعلی قزوینی کے نزدیک تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے اور پسندیدہ خلق یہ ہے کہ بندہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے خوش رہے اور اُس کی رضا پر راضی رہے۔

تصوفِ اسلامی کے اہم مسائل میں سے ایک صوفیا کرام کی 'خرقہ پوشی' ہے۔ آپ نے خرقہ پوشی کے بارے میں کہا ہے:

''صوفیا کرام کا شعار کمبل پوشی ہے اور کمبل پوشی باتباع سنت ہے۔'' (۴)

یہ حقیقت ہے کہ سرورِ کائنات نے اپنے لیے صحابہ کرام اور آئمہ طاہرین کے لیے ادنیٰ لباس کا انتخاب کیا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی ایسا لباس پہنیں جو سادہ و پاکیزہ ہو اور اس سے غرور و نخوت کی جھلک نہ آئے۔ حضور نبی اکرمؐ، ہر سادہ اور آرام دہ لباس کو پسند کرتے تھے۔ داتا گنج بخشؒ نے خرقہ پوشی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اُسے کفایت شعاری اور عاجزی و تواضع کا حامل قرار دیا ہے۔

یہ مسئلہ فکر انگیز ہے کہ گئے گزرے حالات میں اگر کوئی خود کو خرقہ پوش کہے تو کیا ہوگا۔ سید ہجویری کا

جواب یہ ہے کہ اگر دل اور لباس یعنی ظاہر اور باطن میں مطابقت نہ ہو تب بھی یہ کوشش روا ہے کیونکہ جنگ میں فتح کرنے والا تو ایک سپاہی ہی ہوتا ہے مگر فتح کے جشن میں سارے شریک ہوتے ہیں۔ داتا گنج بخش کہتے ہیں:

''خرقہ صوفی ایک حیلہ ہے بعض لوگ تو یہ حیلہ بغرض تقرب کرتے ہیں اور جو کچھ اس خرقہ پوش پر لازم ہوتا ہے اسے پورا کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو خرقہ سے آراستہ کرتے ہیں اس امید پر کہ شاید اس لباس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے حضور ہم بھی شمار ہو جائیں اور مشائخ تصوف نے خرقہ پوشی کرنا اور اس سے زینت حاصل کرنے کا اسی لیے حکم فرمایا اور خود بھی پہنا تاکہ وہ عوام میں ممتاز ہو جائے۔'' (۵)

اس باب میں خرقہ پوشی کی سلائی، رنگ، اس کے پہننے کے آداب وغیرہ سب کچھ بیان کیا ہے۔ آپ نے کون سا لباس پسند کیا اس بارے میں علی ہجویری، رقم طراز ہیں:

''صوفیا کے ایک گروہ نے لباس ہونے اور نہ ہونے کے متعلق کوئی تکلف نہیں برتا اگر اللہ تعالیٰ نے عبا عطا فرما دی تو وہ پہن لی اور اگر قبا میسر آ گئی تو وہ پہن لی۔ میں جو کہ علی بن عثمان جلالی یہاں ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے میں نے بھی یہی طریقہ پسند کیا ہے اور دور دراز کے سفروں میں اسی پر عمل کیا ہے۔''(۶)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقر و درویشی ایک بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا ''الفقر فخری'' کہ مجھے فقیری پر فخر ہے آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں ایک جماعت مسجدِ نبوی میں بیٹھی رہتی تھی جو کہ ان فقرا کی جماعت تھی جو فکرِ معاش سے بے پرواہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے سب کچھ چھوڑ کر توکل بخدا اُسی جگہ بیٹھے رہتے تھے۔ یہ لوگ غیور تھے جو کہ اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہتے تھے۔ یہ صابرین کی جماعت تھی۔

فقر و غنا کے مسئلہ پر مشائخ میں اختلاف ہے کہ فقر افضل ہے یا غنا۔ حضرت یحییٰ ابن معاذ رازی، حضرت ابوالعباس ابنِ عطا، شیخ المشائخ حضرت بوسعید فضل اللہ، 'غنا' کو افضل مانتے ہیں اس لیے کہ غنا میں شکر ادا کرنے کی توفیق ہوتی ہے دوسری بات یہ کہ 'غنا' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا غنی اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں اس کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ 'غنی' کا نام تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی غنی نہیں ہے۔ سب اُس کے محتاج ہیں۔ غنی حقیقی تو مولائے کُل ہے جو ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور سب اُس کے در کے بھکاری ہیں۔ 'فقر' کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف کی ہے۔ متاخرین صوفیا کے نزدیک ''فقیر وہ نہیں جو مال و متاع سے خالی ہو بلکہ حقیقی معنوں میں فقیر وہ ہے جو مراد سے خالی ہو۔''

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۰ھ، ص ۹۳

۲۔ ایضاً۔ ص ۸۸

۳۔ ابوالقاسم عبدالکریم، الرسالۃ القشریہ، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ص ۲۱

۴۔ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۰ھ، ص ۱۳۹

۵۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۴